قال سیدنا امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ

ظاہرہ انیق باطنہ عمیق

حصۂ دوم رسالۂ الحق شرح معارف و دقائق مثنویہ الملقب بہ

الدقایق

از تصنیف لطیف

معلم علوم وجدانیہ کاشف اسرار قرآنیہ واقف حقائق فرقانیہ باطن دقائق مثنویہ قدوۃ السالکین زبدۃ الواصلین سلطان الواعظین مولانا مولوی شاہ محمد عبد القادر صاحب الصوفی عم فیضہ الوفی

مطبوعہ

اعظم اسٹیم پریس چارمینار حیدرآباد دکن

سنہ ۱۳۴۱ ف

حصہ سوم رسالۃ الحق الملقب بہ ما للہ قاؤ شرح معارف و دقائق مثنویہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

بشنو از نے چون حکایت می کند   از جدائیہا شکایت می کند

ترجمہ نے سے سنو کہ کیا بیان کرتی ہے۔ پھر مولانا خود ہی جواباً فرماتے ہیں۔ کہ جدائیوں کی شکایت کرتی ہے

شرح حضرت جامی علیہ الرحمت کا قول ہے ؎

مثنوی مولوی معنوی   ہست قرآن در زبان پہلوی

یہاں قرآن سے صرف کلام الٰہی مراد ہے اور خدائے پاک کا کلام (جس کو وحی کہتے ہیں) اپنے بندوں کے ساتھ متعدد طریقوں سے صادر ہوتا ہے پہلا طریقہ وحی بالواسطہ ہے۔ جیسے فرشتے کے ذریعے سے کلام صادر ہو۔ اس میں یہ شرط ہے کہ کلام سننے والا یعنی مخاطب اس فرشتے کی ذات کو بھی دیکھتا ہو۔ اور کلام کو بھی سنتا ہو۔ اس کو وحی جلی کہتے ہیں اور قرآنِ کریم اسی وحی جلی کے توسط سے حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوا ہے اس وحی کے حامل حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا بھی کرتے تھے اور کلامِ حق

کو ان کی زبان سے سنا بھی کرتے تھے اس لئے قرآن پاک بلاشک و شبہ خدائے پاک ہی کا کلام ہے اور اس کا منکر کافر جس سے معلوم ہوا کہ وحی جلی کا منکر کافر ہوتا ہے۔

دوسرا طریقہ وحی

یہ ہے کہ سننے والے نے ایک آواز سنی مگر کلام کرنے والے کو نہیں دیکھا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر خدائے پاک کے کلام کرنے کی آواز سنی اور کلام کو سنا اور سمجھا چونکہ سننے والے ایک جلیل القدر پیغمبر ہیں پیغمبر کی خبر کا انکار بھی کفر ہے۔ اسواسطے اس کلام طوری کا منکر بھی اسوجہ سے کہ ایک پیغمبر کی تکذیب ہے اور اس دوسری وجہ سے بھی کہ قرآن پاک نے اس کی شہادت دی ہے کافر ہے۔

تیسرا طریقہ وحی

القا ہے۔ لغت میں القا کے معنی ڈالنا ہے۔ جیسے کسی برتن میں پانی یا دودھ وغیرہ کا ڈالدینا۔ اسیطرح خدائے پاک اپنے خاص خاص بندوں کے دل میں اپنے کلام کو ڈالدیتا ہے۔ اس کلام کو القا کہتے ہیں اور القا کے ذریعے جو دل میں خدائے پاک کی طرف سے کلام ڈالدیا جاتا ہے وہ بھی کلام الٰہی ہے لیکن وہ خاص بندہ اگر پیغمبر ہے تو اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ کیونکہ اس کے انکار میں پیغمبر کی تکذیب ہے اور پیغمبر کی تکذیب کفر ہے۔ اس القا کے متعلق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِیْ رُوْعِیْ ترجمہ بیشک روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) نے میرے دل میں پھونکدیا۔

چوتھا طریقہ وحی

الہام ہے۔ اسطرح کہ کسی خاص بندے کے دل کے اندر سے خدا کا کلام
فوارے کے مانند (یا جسطرح کہ زمین کے اندر سے پانی کا چشمہ ابلکر نکلتا ہی)
ابلکر نکلے اسکو الہام کہتے ہیں۔ یوں تو ہر انسان کے دل کے اندر سے ہزاروں
باتیں ابل ابل کر نکلتی ہیں۔ لیکن ان کو الہام نہیں کہا جاتا ہے الہام تو وہی
کلام ہے جو کسی خاص بندے کے دل کے اندر سے خدائے پاک کے
جانب سے ابلکر نکلے اور اس کے ساتھ اس کے خاص خاص نشانیاں
بھی ہیں جو خدا کا کلام ہونے کی شہادت ادا کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ انوار
ہوتے ہیں۔ باطنی فیوض میں کشائش ہوتی ہے۔ جس کی پہچانت خاص
بندگان خدا ہی کو ہوتی ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ یہ بندہ جو الہام پانے
کا مدعی ہے متقی۔ زاہد۔ پرہیزگار اور اس کا ہر فعل اور قول موافق شریعت
غرا ہو۔ اور وہ الہام یا القا شریعت کے احکام کے خلاف نہو۔ اگر خلاف ہی
تو مردود ہے۔ اگر موافق ہے تو مقبول ہے اگر کوئی الہام یا القا مخالف
شریعت ہے نہ موافق شریعت بلکہ ایک امر زاید۔ یا کسی حکم شریعت کے
تائید میں ہے تو وہ بھی مقبول ہے لیکن اس پر عمل کرنا اسی خاص بندے
پر لازم ہوگا جس کو اس الہام کا شرف حاصل ہے۔ لیکن دوسروں کے
لئے یہ الہام حجت نہیں ہے اس تشریح سے ظاہر ہوا کہ الہام ایسی کلام
حق کا نام ہے جس کے ساتھ اس کے نشانیاں بھی ہوں اور صاحب
الہام ان نشانیوں سے اچھی طرح ذوق اور کشف کی رو سے واقف

بھی ہے وگرنہ وہ الہام نہیں ہے بلکہ وہ وسواس شیطانی یا نفسانی ہے اس الہام کی مثال قرآن شریف کے اس آیۃ شریفہ سے ملتی ہے واوحینا الیٰ ام موسیٰ ان ارضعیہ ترجمہ ہم نے موسیٰ کی ماں کیطرف وحی کی کہ اس کو دودھ پلا) یہ وحی موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف الہام کے طریقہ سے ہوئی تھی کہ ان کے دل کے اندر سے خدائے پاک نے اس کلام (ان ارضعیہ) کو مثل فوارے کے ابال دیا تھا ۔ وحالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں پیغمبر نہ تھی ۔

پانچواں طریقہ وحی

تسخیر کا ہے یعنی کسی شے کو کسی کام کے لئے ایسا مسخر کر دینا کہ اس سے اس کام کے کرنے میں نافرمانی نہو سکے جیسا خدائے پاک کا ارشاد ہے ۔ واوحی ربک الی النحل ترجمہ تیرے پروردگار نے شہد کی مکھی کیطرف وحی کی) اس وحی سے مقصود شہد کی مکھی کو پاک پاک چیزوں کے کھانے اور اونچے اونچے مقاموں پر اپنا گھر بنانے کے لئے ویسا مسخر کردینا ہے کہ شہد کی مکھی اس کے خلاف عمل نہیں کر سکتی ہے اس تسخیر کو خدائے پاک نے وحی (یعنی اپنے کلام) سے تعبیر کی ہے یعنی یہ مکھی کی تسخیر میرا کلام ہے ۔

چھٹا طریقہ وحی

(خواب صالح) ہے ۔ کیونکہ رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اجزا نبوت میں سے رویا صالحہ (خواب نیک) کو نبوت کا ایک جزو قرار دیا ہے ۔ خدائے پاک کا کسی خاص بندے کے توسط سے کسی دوسرے بندے سے

کلام کرنا پہلے طریقۂ وحی بالواسطہ میں داخل ہے۔ جیسے خدائے پاک کا ارشاد وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیِّیْنَ ترجمہ جب میں نے حواریوں (امت عیسیٰ علیہ السلام) کیطرف وحی کی ہے۔ درحقیقت خدائے پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے توسط سے ان حواریوں سے کلام کیا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان اسوقت خدائے پاک کے کلام کا مظہر تھی اور خدائے پاک نے حواریوں کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے گفتگو کی تھی اور اس کلام کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے حواریوں نے سنا تھا اس کو حق تعالیٰ نے اپنا کلام اپنی وحی تبلائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ واذ اوحیت الخ یعنی میں نے (خود) جب حواریوں سے کلام کیا۔ اسوقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر حق تعالیٰ گویا تھا۔ اور اسطرح حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد ہے ان اللہ یقول علی لسان عبدہ سمع اللہ لمن حمدہ ترجمہ اللہ پاک اپنے بندہ کی زبان پر سمع اللہ لمن حمدہ فرماتا ہے یعنی نمازی جب رکوع سے قیام کے طرف آتا ہوا سمع اللہ لمن حمدہ جو کہتا ہے وہ درحقیقت نمازی کا کلام نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ نمازی کی زبان پر سمع اللہ لمن حمدہ کے کلام سے گویا ہے یعنی خود حق تعالیٰ نمازی کی زبان سے سمع اللہ لمن حمدہ فرماتا ہے یہ کلام نمازی کا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا ہے جس سے صاف تر اور واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ خدائے پاک اپنے بندوں کی زبان سے اپنے بعض بندوں سے گفتگو فرماتا ہے عام اس سے کہ وہ بندہ جس کی زبان پر حق گویا ہے

پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر۔ پیغمبر کی مثال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات ہے جو خدائے پاک نے ان کی اُمت (حواریوں سے) ان کی زبان سے گفتگو کی غیر پیغمبر کی مثال نمازی کی زبان ہے جو سمع اللہ لمن حمدہ خدائے پاک کا کلام نمازی (غیر پیغمبر) کی زبان سے صادر ہو رہا ہے جب یہ نص قرآنی وحدیث صحیح سے یہ امر ثابت ہوگیا ہے کہ خدائے پاک اپنے خاص بندوں کی زبان سے اپنے بعض بندوں سے گفتگو فرماتا ہے۔ تو پھر حضرت جامی علیہ الرحمت کا یہ قول ؎ مثنوی مولوی معنوی   ہست قرآن در زبان پہلوی

مثنوی مولانا روم کا کلام الٰہی ہونے کے لئے صداقت تامہ شہادت کاملہ ہے۔ کیونکہ حضرت جامی علیہ الرحمت کا تبحر علوم ظاہری و باطنی میں اظہر من الشمس وابین من الامس ہے۔ ایسے زبردست متقی زاہد عالم عامل کامل مکمل جامع بین الشریعت والطریقت کا ارشاد (جو حسب تشریح بالا مستند بدلائل قرآنیہ واحادیث نبویہ ہے) اگر قابل تسلیم نہیں ہے تو خیر وما علینا الا البلاغ الحمد للہ اس تشریح سے حضرت جامی علیہ الرحمت کا دوسرا شعر جو مولانا روم علیہ الرحمت کے وصف میں صادر ہوا ہے ؎

من چہ گویم وصف آن عالیجناب   نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

کا مفہوم بھی ثابت ہوگیا۔

اب ہم اصل شعر ابتدائی کی شرح کیطرف رجوع کرتے ہیں (بشنو) فعل امر ہے اس کا مصدر شنیدن ہے بشنو کا بے پارسیوں کے محاورے کی رو سے ہر امر کے صیغے کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ کیونکہ (شنو) اصلی صیغہ امر ہے اور بے زائد لیکن

اس بے کی زیادت بے معنی نہیں ہے شنو اور بشنو میں فرق یہ ہے کہ صرف لفظ (شنو) بغیر بے وہ قوت حکم میں نہیں پیدا کر سکتا ہے جو قوت کہ لفظ (بشنو) میں ہے اس لیے کہ ہر کلمے میں حرفوں کی زیادت از روئے لغت مزید معنی پر دلالت کرتی ہے۔ (بشنو) میں بمقابلہ (شنو) ایک حرف بے زاید ہے اور اس کا ضرور کوئی معنی محض حکم کے معنی سے زیادہ ہونا چاہیے۔ لہذا بشنو میں ایک تاکیدی معنی کی قوت پیدا ہو گئی ہے۔ اسیطرح لہجے کی تغیر سے بھی ایک تاکیدی معنی پیدا ہو جاتا ہے جیسے کسی نے کہا (شنو) معمولی لہجے میں اور دوسرے نے کہا (شنو) بلند لہجے میں اور نون کی حرکت دراز کر کے ضرور ان دونوں کے معنی میں فرق پیدا ہو جاتا ہے جس کو سننے والا اچھی طرح پہچان لیتا اور جان لیتا ہے کہ بلند لہجے کا حکم تاکیدی ہے۔ اس کی تعمیل ضروری ہے اگر تعمیل نہ ہو تو حکم دینے والے کی نا رضامندی کا سبب ہوگا پس یہی فرق شنو اور بشنو میں ہے۔ بشنو میں بہ نسبت شنو کے زیادہ تر تاکید اور تنبیہ کا معنی پوشیدہ ہے۔ مولانا علیہ الرحمت کا ارشاد بلفظ بشنو مخاطب کو تنبیہ اور اپنے سننے کیطرف متوجہ ہونے کی تاکید کر رہا ہے۔ اور یہاں ایک نادر حسن اتفاق یہ ہے کہ مولانا نے اپنی مثنوی کی ابتدا حرف بے سے کی ہے۔ جس طرح کہ کلام مجید کی ابتدا حرف بے سے ہوی ہے۔

حقیقت حرف با

حضرت الشیخ الاکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضرات انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اٹھائیس حروف ہجی کو اٹھائیس مراتب وجود کے مقابلے میں قائم

فرمایا ہے چنانچہ الف کو مرتبہ ذات حق کے مقابلہ میں قائم کیا ہے جو وجود کا پہلا مرتبہ ہے ۔ اور حرف با کو عقل کل کے مقابلہ میں جو وجود کا دوسرا مرتبہ ہے اور عقل کل سے تمام کائنات کے ظہور کا دروازہ کھولدیا گیا ہے ۔ اسی عقل کل کو روح محمدی نور محمدی عقل محمدی قلم اعلیٰ نفس محمدی کے متعدد ناموں سے موسوم کرتے ہیں ۔ اس لیئے کہ عقل کل کے متعدد پہلو ہیں ہر پہلو کے لحاظ سے اس کا ایک ایک علحدہ نام رکھا گیا ہے جس کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مناسب مقام پر آجائے گی ۔ چونکہ عقل کل سے کائنات کی کتاب کی افتتاح (ابتدا) ہوئی ہے اور حرف با عقل کل کے مقابلہ میں قائم کیا گیا ہے ۔ اس لئے خدائے پاک نے حرف با سے اپنی کتاب قرآن مجید کی افتتاح کی ہے ۔ جسطرح مرتبہ عقل کل کے تحت میں تمام کائنات کا درخت مندرج ہے اسیطرح با کے اندر تمام آسمانی الہی کتابیں مندمج ہیں بقول امیرالمومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کہ جو کچھ آسمانی الہی کتابوں میں ہے وہ تمام قرآن پاک میں جمع ہے ۔ اور جو قرآن پاک میں ہے وہ سورۃ فاتحہ میں اور جو سورۃ فاتحہ میں ہے وہ بسم اللہ میں اور جو بسم اللہ میں ہے وہ بائے بسم اللہ میں ہے ۔ اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ نقطہ با میں ہے ۔

حقیقت نقطہ با

نقطہ تمام مکتوبی حرف و کلمہ و کلام آیۃ و سورۃ و کتاب کا جامع ہے ۔ اور ازل سے لیکر ابد تک جتنے حروف یا کلمے لکھے گئے ہیں یا لکھے جائینگے سب کے سب اسی نقطے کے مظاہر ہیں بلکہ جملہ حروف و کلمات ازلی و ابدی اسی

نقطے کی صورتیں ہیں اور اسی نقطے کے جلوے نہیں ہیں بلکہ نہ کوئی حرف ہے نہ کوئی کلمہ جو کچھ ہے وہی ایک ہی نقطہ ہے۔ باقی جملہ حروف و کلمات اس نقطہ کے وہمی صورتیں ہیں۔ دیکھو جب یہ نقطہ دو مرتبہ ظاہر ہو کر خود سے مل جاتا ہے تو خط کی وہمی شکل پیدا ہو جاتی ہے اب یہ وہمی خط کی صورت نقطے کی صورت پر حجاب ہو گئی ہے۔ اسوقت نقطہ نظر سے پوشیدہ ہو گیا جب آپ نے اس وہمی صورت پر نظر ڈالی تو کھینچنے لگے خط خط۔ حال آنکہ یہاں نہ خط ہے نہ خط کا وجود۔ موجود حقیقت میں وہی نقطہ ہے۔ مگر مکرر جلوہ فرما ہو کر خط کا وہمی لباس پہن لیا ہے۔ دیکھو (٠) ایک نقطہ ہے (٠) یہ بھی ایک وہی نقطہ اب یہ دیکھو (ــ) دو ہیں یعنی اسی ایک ہی نقطے نے دو مرتبہ ظہور فرمایا ہے تو خط صرف باہم دو نقطوں کے ملنے سے پیدا ہوا ہے مگر خط خارج میں پیدا ہوا نہ ہوگا۔ صرف وہم میں بلا وجود نمود میں آرہا ہے۔ جب دونوں نقطوں کو جدا کر دو تو پھر خط کی صورت وہمی فانی ہو جاتی ہے۔ لیکن جسطرح اس خط کا وجود اور اس کی بقا وہمی تھی اسیطرح اس کا عدم اور اسکی فنا بھی وہمی ہے۔ خط حقیقت میں نہ موجود تھا نہ اس نے بقا پائی تھی اس کا وجود و بقا اور اسکا عدم و فنا وہم ہی وہم میں تھا۔ اور ہے خارج میں جو نقطہ موجود ہے سو ہے خط کی صورت میں بھی وہی تھا اور جدا ہو کر بھی وہی موجود ہے۔ کیونکہ موجود کبھی معدوم نہیں ہوتا اور معدوم کبھی موجود نہیں ہوتا۔ خط کا وجود بھی وہمی تھا اور عدم بھی خط نہ کبھی موجود ہوا نہ معدوم نہ بقا پائی نہ فنا کا اثر لیا ازل سے لیکر ابد تک معدوم ہی معدوم ہے اسیطرح الف با و جملہ حروف تہجی کا

وجود وہی وجود ہے۔ درحقیقت ان صورتوں کے لباس وہی ہیں نقطے کا ہی ظہور اور جلوہ اور کرشمہ ہے تو ظاہر ہوا کہ ازل سے لیکر ابد تک جتنے حروف یا کلمات یا کتب مکتوب ہیں جملہ کے جملہ صرف ایک ہی نقطے کے جلوے ہیں اور ایک ہی نقطہ ہے۔

انطباق جامعیت حقیقت محمدی با جامعیت نقطہ

دیکھو سیاہی جب دوات میں ہے تو سیاہی اس مرتبہ میں کسی حرف یا کلمے کی صورت میں ظاہر ہونے کی قابلیت اور استعداد نہیں رکھتی ہے اگرچہ کہ جملہ حروف وکلمات کی صورتیں اس کے اندر ہیں مگر عین سیاہی میں سیاہی سے جدا نہیں ہے اور اسیطرح کوئی حرف دوسرے حرف سے جدا نہیں ہے۔ الف بے جیم جملہ حروف اس سیاہی کے مرتبہ میں ایکدوسرے کے عین میں کوئی حرف کسی حرف سے جدا نہیں لیکن سیاہی میں (باوجود اسکے کہ جملہ حروف وکلمات اسکے اندر مندمج ہیں) کسی صورت پر ظاہر ہونے کی قابلیت اور استعداد نہیں ہے۔ اس مرتبہ کو ذات سیاہی کا مرتبہ سمجھو۔ پھر جب سیاہی قلم کی نوک پر نقطے کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے تو اس نقطہ کی صورتمیں ہر حرف کلمے کی صورتمیں ظاہر ہونیکی قابلیت اور استعداد پیدا ہوجاتی ہے اگرچہ اس نقطے کی صورتمیں بھی تمام حروف وکلمات مندمج ہیں اور ہر حرف یا کلمے کی صورت دوسرے حرف یا کلمے کی صورت سے جدا نہیں ہے جس طرح سیاہی میں ہر حرف دوسرے حرف کا عین تھا اسیطرح اس نقطے کی صورت میں بھی عین ہے۔

اور یہ نقطہ خود عین سیاہی ہے مگر فرق یہ ہے کہ ذاتِ سیاہی کی صورت سے ہمارے عقل اور ذہن میں جدا ہے اسواسطے کہ جب ہم سیاہی کا نام سنتے ہیں تو ہمارے ذہن کے آئینے میں سیاہی کی ایک خاص صورت پیدا ہو جاتی ہے اور نقطے کا نام سنتے ہیں تو نقطے کی ایک خاص صورت ہمارے آئینہ ذہن میں پیدا ہو جاتی ہے اور یہ صورت نقطے کی سیاہی کی صورت سے جدا ہے اب سیاہی دو صورت میں نمایاں ہے۔ ایک خود سیاہی کی صورت دوسرے نقطے کی صورت ہر صورت کے مقابل میں اس کا ایک ایک نام جدا جدا پیدا ہو گیا ہے۔ سیاہی ایک ہی ہے جو نقطہ ہے وہ سیاہی ہے جو سیاہی ہے وہی نقطہ ہے۔ مگر صورت کے لحاظ سے اب سیاہی ایک سے دو ہو گئی اور اس کے دو نام بھی ہو گئے۔ ایک سیاہی دوسرا نقطہ۔ مگر سیاہی کی صورت میں کسی حرف کی صورت پر ظاہر ہونے کی قابلیت ہے نہ استعداد۔ لیکن نقطے کی صورت میں جب سیاہی ظاہر ہو جاتی ہے تو اس صورتِ نقطہ میں قابلیت اور استعداد بھی پیدا کر لیتی ہے اب نقطہ حسب ارادہ کاتب جس کے ہاتھ میں قلم ہے ہر حرف یا کلمے کی صورت میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ جیسے ا ب ت مفردات کی صورت میں یا آیا کیا کھایا پیا وغیرہ وغیرہ مرکبات کی صورت میں۔ مگر آپ جانتے ہیں کہ ا۔ب۔ حرف ہے کھایا۔ پیا۔ کلمہ ہے لیکن صورت کے لحاظ سے نقطے سے جدا ہیں۔ جس طرح نقطہ سیاہی سے جدا تھا۔ مگر حقیقت کی رو سے سیاہی نقطہ ا۔ب۔ کھایا پیا وغیرہ

جملہ حروف و کلمات ازل سے لیکر ابد تک صرف سیاہی ہی سیاہی ہے۔ لیکن سیاہی ان حروف و کلمات کے جدا جدا لباس میں ظاہر ہو رہی ہے۔ سیاہی کی حقیقت ایک سے دو نہیں ہوتی مگر لباس (صورت) غیر محدود ہے اس لئے سیاہی کے نام بھی اس لباس کے مرتبہ میں غیر محدود ہیں اور ہر حرف یا کلمہ کی صورت میں سیاہی کا جلوہ ہے۔ اسیطرح حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام قائم مقام نقطہ یا ہے جو ہر صورت کے لباس میں ظاہر ہونے کی قابلیت رکھتی ہے یہ استعداد اور قابلیت مرتبہ ذات حق میں نہیں ہے جیسے سیاہی میں کسی حرف یا کلمے کیصورت میں ظاہر ہونے کی استعداد نہیں ہے۔ وحالانکہ جملہ حروف مفردہ و کلمات مرکبہ سیاہی کے اندر ہیں اسیطرح جملہ ذرات کائنات کی صورتیں ذات حق میں عین ذات حق اور باہم ہر ذرہ دوسرے ذرہ کا عین ہے جب خدائے پاک نے مرتبۂ ذات (احدیت) سے مرتبہ وحدت (حقیقت محمدیہ) کیصورت پر تجلی کی تو اس مرتبہ حقیقت محمدیہ میں ہر صورت پر ظاہر ہونے اور ہر صورت کا لباس پہننے کی قابلیت اور استعداد ذات میں پائی گئی لیکن اس مرتبہ حقیقت محمدیہ میں مثل نقطہ سیاہی ہر ذرے کیصورت عین حقیقت محمدیہ تھی اور اسیطرح ہر صورت دوسری صورت کی بھی عین تھی کوئی صورت ممیز نہ تھی بلکہ ہر صورت اس مرتبہ حقیقت محمدیہ میں عین ذات تھی جیسے ہر حرف اور ہر کلمہ نقطے کیصورت میں عین سیاہی تھا اور دوسرے حروف یا کلمات کا بھی عین تھا اور جسطرح ذات

سیاہی اور صورت نقطہ میں استعداد اور قابلیت کا فرق ہے۔ اسیطرح مرتبہ ذات حق (احدیت) اور مرتبہ وحدت (حقیقت محمدیہ) میں صرف قابلیت اور استعداد کی تمیز ہے والا جو وحدت ہے وہی احدیت ہے۔ اور جو وحدیت ہے وہی وحدت جسطرح جو سیاہی ہے وہی نقطہ ہے اور جو نقطہ ہے وہی سیاہی ہے۔ اور جس طرح نقطے سے جملہ حروف مفردہ و مرکبات کا ظہور ازل سے لیکر ابد تک ہوگا اوسیطرح حقیقت محمدیہ کے نقطے سے ازل سے لیکر ابد تک غیر متناہی ذرات کائنات کی صورتوں کا ظہور ہوتا رہیگا اور ہر ذرہ کی صورت درحقیقت حقیقت محمدیہ کا لباس ہے۔ ہر لباس میں اوسی ایک ہی حقیقت محمدیہ کا جلوہ ہے اور ہر صورت اوسی حقیقت محمدیہ کے نور سے بنی ہے اس لئے ارشاد مبارک ہے انا من نور اللہ وکل شئ من نوری اس بیان سے الحمدللہ ثابت ہوا کہ حسب ارشاد حضرت امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جملہ کائنات ازلی و ابدی نقطے کے اندر مندرج و مندمج ہے۔ خدائے پاک نے اپنے کلام مقدس کی افتتاح بہ وحی جلی اس حرف با سے جو کی ہے ایسی راز سربستہ کیطرف سارے عالم کو متوجہ فرما دیا ہے اور حضرت مولانا روم علیہ الرحمت کی زبان فیض ترجمان سے بہ وحی خفی (الہام) کتاب مثنوی کی ابتدا بھی اسی حرف با سے کرادی ہے۔ تاکہ وحی خفی وحی جلی سے مطابقت پیدا کر لے۔

حرف با سے افتتاح کتاب اللہ کی وجہ

حرف (ا) مین تکبر اور رفعت اور استقامت ہے اور حرف (ب) مین انکسار اور
تواضع اور سقوط (گر پڑنا) اور خداے پاک کی عادت ہے کہ من تکبر وضعہ ومن
تواضع جس نے تکبر کیا اُس کو گرا دیا اور جس نے تواضع (گر جانا) اختیار کیا اس کو
بلند کر دیا ۔ اس واسطے حرف (ب) سے خدائے پاک نے اس کتاب کا افتتاح
فرمایا دوسری وجہہ یہہ ہے کہ حرف با الصاق اور اتصال کی خاصیت رکھتا
ہے اس وجہہ سے وہ دوسرے حرفوں سے مل جاتا ہے جو صلہ رحم کے معنی سے
مطابق ہے بخلاف حرف الف وہ تو کبھی کسی حرف سے نہین ملتا جو قطع رحم سے
موافق ہے ۔ تیسری وجہہ یہ ہے کہ حرف با ہمیشہ مکسور رہتا ہے جو بندگی کا زیور ہے
اور جس سے ملتا ہے اس کو بھی مکسور کر دیتا ہے بلکہ اس سے ملنے والے سے جو ملتا
ہے اس کو بھی مکسور کر دیتا ہے جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حرف با تو اسم سے ملا اور اوس
کو مکسور کر دیا اور جب لفظ اللہ اسم سے ملا وہ بھی مکسور ہوا رحمٰن لفظ اللہ کا تابع
ہوا اور رحیم رحمٰن سے ملا تو دیکھیے با کے کسر سے اسم اور لفظ اللہ اور لفظ رحمٰن اور لفظ
رحیم سب میں کسر آگیا اور جو کسر اختیار کرتا ہے اس کو خداے پاک اپنا مقرب بنالیتا
ہے جیسا کہ ارشاد ہوا انا عند المنکسرۃ قلوبھم میں ٹوٹے پھوٹے دلوں کے پاس
ہون جب حرف با خود مکسور ہو کر دوسروں کو بھی اپنی کسر و تواضع سے متاثر کر دیتا
ہے اور صورت اور معنی میں انکسار اس کی خاصیت ہے تو خداے پاک نے اس
حرف با کو جملہ حروف تہجی میں سے اپنی کتاب کی افتتاح کے لیئے پسند فرمایا اور

اس کو اس عزت اور فخر سے نوازا تاکہ بندگان خدا اس سے واقف ہو کر مہذب ہو جائیں اور انکسار پیدا کریں اور انکسار کے رنگ سے اپنے ہم صحبت بھائیوں کو بھی رنگدیں جس کی وجہہ سے وہ خود اور اس کے ساتھی بھائی خدائے پاک کے مقرب اور مقبول بندے بنجائیں دوسری وجہہ یہ کہ حرف با شفوی ہے یعنے مخرج انسان کے لب ہیں اگرچہ حرف میم بھی شفوی ہے لیکن دونوں لب حرف با کے تلفظ سے جس قدر کھلتے ہیں میم کے تلفظ سے نہیں کھلتے اور یہ بات فطری ہے کہ منکسر اور عاجز انسان کا منھ کمال درجہ کی انکسار و تواضع کیوقت کھل جاتا ہے اور اور سب سے پہلے انسان کا منھ اسی حرف با سے کھلا جس وقت کہ خدائے پاک نے الست بربکم فرمایا تو انسان نے بلٰی سے منھ کھولکر اس کی ربوبیت اور اپنی عبودیت کا اقرار کیا دیکھو خدائے پاک نے جب انسان سے پہلے پہل کلام کیا تو اوس کلام کی ابتدا الف سے کی جو کبریا و عظمت و جلال پر دلالت کرتا ہے یعنی الست بربکم کبریائی رب کی شان ہے اوس نے اپنی شان کا اظہار فرمایا اور انسان نے اس کا جواب جو دیا تو حرف با سے اپنے جواب کی افتتاح کی اور کہا بلٰی چونکہ حرف بے میں انکسار اور گڑگڑانا اور تواضع ہے جو عبودیت کا زیور ہے تو خدائے پاک نے اپنی کتاب کو حرف با سے کھولی اسیطرح مولانا نے اپنی کتاب مثنوی کی افتتاح بھی حضرت حقتعالے کی اتباع میں اسی حرف با سے کی دھذا هوالمقصود عن الاطالة فی هذا الباب واللہ اعلم بالصواب

فضیلت سماع بر بصر

کان آنکھ سے افضل ہے اس لیئے کہ آنکھ صرف اپنے مقابل کے اشیا کا مشاہدہ
کر سکتی ہے گویا اپنے مقابل کے سمت مین مقید ہے لیکن کان ہر سمت
سے بلا قید اپنے محبوب (آواز) کا وصال حاصل کر سکتا ہے اور اس سے
لذت پا سکتا ہے دوسری وجہہ یہ ہے کہ کان حق تعالیٰ کے کلام سننے کا شرف
حاصل کر سکتا ہے مگر آنکھ محروم ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
آواز سنی مگر ان کی آنکھ اپنے محبوب کا مشاہدہ نکر سکی تیسری وجہہ یہ ہے کہ
سب سے پہلے خدا کے کلام (الست بربکم) کا شرف کان ہی نے حاصل کیا
چوتھی وجہ یہ ہے کہ کان ہی کے توسط سے ہر شی عدم سے وجود میں آئی ہے
کیونکہ کلام کن کو سن کر ہر شی نے وجود کی خلعت پہنی ہے گویا کان ہی کی
بدولت ہر شی کو ہستی نصیب ہوئی ہے اس لیئے قران پاک مین جہاں سمع
و بصر کا ذکر آیا ہے تو خدائے پاک نے سمع کو بصر پر مقدم کر دیا ہے جیسے
ہو السمیع البصیر کسی مقام پر قران پاک نے سمع کو بصر سے موخر نہین کیا ہر جگہ سمع
بصر پر مقدم ہے کہین ہو البصیر السمیع نہین آیا جس سے صاف ظاہر ہوا کہ کان
آنکھ سے حسب تصریح بالا افضل ہے مولانا علیہ الرحمت نے کان ہی کے ذریعہ
سے اپنے اسرار کو مخاطب کے دل مین اتار دیا ہے کیونکہ جسقدر کمالات
ظاہری یا علم وارشادات استاد و پیر کامل کے ہیں کان کے ذریعہ ہی سے
طالب علم و مرید صادق کے دل میں اتر جاتے ہیں آنکھ اس سے محروم ہے
بیع و شرا (لین دین) عقد و حل (بست و کشاد) نظم و نسق جملہ امور دنیوی و دینی

کا بڑا حصہ کان ہی سے متعلق ہے (ازنی) نے وہ نرکل ہے جسکے اندرونی مغز کو نکالکر ایک خاص قسم کا باجا بنایا جاتا ہے جس کو باجنے والا اپنے منھ میں رکھکر اپنی سانس سے بجاتا ہے جس کا ایک حصہ منھ باجنے والے کے منھ میں ہوتا ہے اور دوسرے منہ سے سریلی آواز نکلتی ہے اور اس آواز کا معنیٰ سننے والا اپنی استعداد اور سمجھ اور خیال کے سانچے میں ڈھال لیتا ہے تو پھر یہ آواز اس کے خیال کے موافق کیفیت پیدا کرلیتی ہے اور اس کے خیال کے موافق ہی اس کو خوش کردیتی ہے اگر سننے والا یار کے وصل میں مستغرق ہے تو وصالی حالات اور اس کے ذالقہ اور لذت کی پر لطف کیفیات لیکر اس کے کان کے ذریعہ اس کے دل ودماغ میں اتر جاتی ہے اور پھر اس کے خوشی اور سرور اور فرحت و لذت سے وہ متاثر ہو کر ناچنے کودنے تالیاں بجانے اور خوشی کے نعرے مارنے مین بے اختیار مصروف ہو جاتا ہے بلکہ بعض اوقات میں بے خود بے ہوش مجنونانہ حرکات بھی اوس سے صادر ہونے لگتے ہیں ۔ اگر سننے والا یار کی جدائی میں مبتلا ہے اور فراق کے خنجر سے اس کا دل وجگر زخمی ہے تو اس آواز سے اوس کے زخموں پر نمک پڑجاتا ہے پھر تو وہ بے چین ہو کر چیخنے پکارنے رونے چلانے ہاتھ پاؤں پٹخنے زمین پر بیقرار لوٹنے سینہ پیٹنے سر پھوڑلینے دیوانہ کیطرح بکنے میں منہمک ہو جاتا ہے ۔ اسی طرح اگر سننے والا کسی ناپاک عشق میں مبتلا ہے تو اس ناپاک واقعات اور اوس معشوقہ مجاز کے ناز ونخرے کی تصویر اس آواز نے سے لیکر انہیں ناپاک خیال میں مستغرق ہو جاتا ہے ۔ اگر سننے والا خدا اسے پاک یا رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شیفتہ ہے ۔

تو اس آواز سے ان کی رافت و شفقت، انعام و اکرام احسان اور تجلیات انوار و محاسن اخلاق اور اس کے وصل و فراق کے مضمون کا ذوق و لذت و درد سوز حاصل کر کے اس لذت میں یا اس درد میں سراپا ڈوب جاتا ہے کبھی روتا ہے کبھی ہنستا ہے کبھی چیختا ہے کبھی کودتا اور کبھی ناچتا ہے الحاصل ہر سننے والا اس آواز کی تصویر اپنے خیال کے آئینہ میں لے لیتا اور اپنے خیال کے رنگ میں رنگ لیتا ہے۔

مختصر حقیقت سماع

جب مولانا علیہ الرحمۃ نے نے کی آواز سننے کی طرف اپنے مخاطب کو متوجہ کرایا ہے تو ضرور ہوا کہ مختصر سماع کی حقیقت اور اس کے حکم اور اثر کو بیان کر دیا جائے نری آواز جو کسی حرف یا کلمہ کی کیفیت سے خالی ہو خواہ وہ کسی انسان کی ہو یا حیوان یا پرند یا جماد (لوہا تانبا) یا نبات (درخت کی) خواہ وہ سریلی ہو یا بھدی بھونڈی اس کا سننا بلا قید بچے بوڑھے جوان متقی غیر متقی سب کو جائز اس وقت تک ہے کہ اس آواز کا کوئی معنے نہ لیا جائے صرف ایک سریلی یا بھونڈی آواز ہی آواز ہے اور بس۔ اگر اس آواز سے سننے والا اپنے خیال میں بلا توسط حرف یا کلمہ نری آواز سنے اس آواز کو اپنے خیال میں کسی کلمہ کے سانچے میں ڈھالکر کوئی معنے نکال لیتا ہے تو یہ خیالی کلمہ یا معنے دو حال سے خالی نہیں ہوگا پاک ہوگا اگر خیال پاک ہے پلید ہوگا اگر خیال پلید ہے کیونکہ یہ آواز سننے والے کے خیال کے تابع ہے اور اس کے خیال کے سانچے میں ڈھلکر اس کے خیال کی صورت لیکر نکلتی ہے خواہ آواز سریلی ہو یا بھونڈی

لیکن اس وقت خیال کے زیر اثر ہے جو سننے والے کے خیال کا رنگ ہے
وہی رنگ اس آواز کا ہے سریلی ہو یا بھونڈی ۔ اس کا حکم یہہ ہے کہ
پاک خیال مین پاک ہے اور حلال ہے پلید مین پلید ہے اور حرام ہے اور
یہی شان اور یہی حکم ہے اس اواز کا جو حرف یا کلمے کی صورت مین ہوتی ہے
اگر کلمات پاک ہین تو اس کا سنا گو وہ اواز سریلی ہو یا بھونڈی حلال ہے اور
اگر کلمات ناپاک ہین تو حرام ہے ۔ یہاں اور بھی ایک امر تفصیل طلب ہے
وہ یہ ہے اگر کلمات نثر ہوں یا شعر سریلی آواز مین ہوں یا بھونڈی مگر اس
مین کسی معشوق کے حسن اور اس کے ناز و ادا اور اس کی آنکھ اور پیشانی اور
رخسار یا وصل کی لذت یا فراق کی تکالیف یا اس کے کرشمے غمزے وغیرہ وغیرہ
کا بیان ہے یا جام دے ساقی صراحی خمخانہ تو اس کی حلت و حرمت بھی سننے والے
کی حالت سے متعلق ہے اگر اس کا سننے والا کسی اجنبی عورت کا عاشق اور شیفتہ
ہے تو ضرور اس کے سننے سے اس کے دل مین ایک جوش اور ایک ہیجان پیدا
ہو جائیگا علی الخصوص سریلی اواز تو ایسا ہیجان اور ایسا ولولہ اپنے ساتھ
لیکر آتی ہے ۔

سریلی آواز کا اثر

آپ نے چقماق کے پتھر کو دیکھا اور ضرور دیکھا ہے کہ اوس کے اندر آگ کی چنگاریاں
چھپی ہوئی ہین لیکن جب وہ کسی لوہے سے ٹکر کھاتا ہے تو اس کے اندر کی
آتشی چنگاریاں باہر کو دوڑتی ہین اور جس مقابل کی چیز پر گرتی ہین اگر وہ جلد
اثر لینے کے قابل ہے جیسے روئی یا پھوس تو اوس کو مشتعل کر دیتی ہین اور

ایک چنگاری سے ایک آتشین پہاڑ بنجاتا ہے اسی طرح خدائے پاک نے سریلی آواز کو اوس لوہے کے قائم مقام بنایا ہے جو چقماق کے پتھر پڑ لگکر اس کے اندر کی آگ باہر نکالکر بھڑکا دیتا ہے اور دل کو قائم مقام چقماق کے پتھر کے بنایا ہے۔ اور اس کے اندر عشق و محبت کی آگ دبا رکھی ہے جب دل پر سریلی آواز کی ٹکر لگتی ہے گو وہ آواز حرف یا کلمات سے مکیف ہے یا صرف آواز ہی آواز ہے جیسے کسی لوہے یا تار یا چرخ کی آواز یا کسی انسان حیوان یا پرندکی نری سریلی آواز اس سریلی آواز کی ٹکر کے ساتھ ہی دل کے اندر کی آگ چقماق کے پتھر کیطرح دل سے باہر کود پڑتی ہے اور اس سننے والے عاشق کے دل و دماغ جگر بلکہ سارے بدن مین آگ پھونکدیتی ہے جس کی وجہہ سے وہ بیقرار ہو جاتا ہے اور مجنونانہ حرکات اس سے صادر ہونے لگتے ہیں کودتا ہے ناچتا ہے چیختا ہے لوٹتا ہے سینہ کوبی کرتا ہے جس کیوجہہ سے اس کے دل کا جوش ترقی کرتا ہے اور معشوق کی طلب اس کو دیوانہ بنا دیتی ہے خدائے پاک نے عشق کی آگ انسان کے خمیر مین ازل ہی سے رکھی ہے اور ہر انسان کا دل اس آتش کا خزانہ ہے بلکہ حیات جس کا نام ہے ہی عشق ہے لیکن اس عشق کے تعلقات (یعنی یہ عشق جن سے تعلق رکھتا ہے) متعدد ہین۔ ماں باپ بیٹا بھائی بیوی عزت وضع زراعت تجارت مکان دکان بیل بکری گھوڑا شکاری کتابلی وغیرہ جن کی محبت شرعاً حلال ہے شراب قمار چوری اجنبی عورت یا مرد وغیرہ کی محبت جو حرام ہے استاد پیر کامل رسول حق صلعم خدائے پاک جن کی محبت واجب اور شرط ایمان ہے

ان محبت کے متعلقوں کی اختلاف سے سماع کے سننے مین بھی احکام مختلف ہو گئے ہین۔ جن کی محبت شرعاً جائز ہے ان سے محبت رکھنے والے کو سماع سننا جائز ہے اور جن کی محبت واجب ہے ان سے محبت رکھنے والے کو سماع کا سننا واجب ہے کیونکہ واجب کا مقدمہ یعنے (ذریعہ) بھی واجب ہوتا ہے جن سے محبت پیدا کرنا تو کجا اون کی طرف میل پیدا کرنا بھی حرام ہے اون سے محبت یا میل پیدا کرنے والے کو سریلی آواز کا سننا حرام ہے پس فقہ شرعی کے اس کلیہ (حلال لاحله وحرام لغیرہ) یعنے جو سماع سننے کی اہلیت (قابلیت) رکھتا ہے اس کو حلال ہے اور جو اہلیت نہین رکھتا ہے یعنے اس کا دل حرام چیز سے متعلق ہے اور حرام کے جذبات اس کے دل میں بھرے ہوے ہیں اس کو سماع حرام ہے پس معلوم ہوا کہ سریلی اواز کسی شے کی ہو اور بامعنی یا کلمہ ہو یا بے معنی بے الفاظ و کلمات جس کے دل مین نیک جذبات ہین اس کو اس کا سننا حلال ہے جس کے دل میں حرام جذبات ہین اس کو حرام ہے کیونکہ سریلی آواز سے جب دل ٹکراتا ہے تو اس کے اندر کے جذبات چقماق کی چنگاریون کی طرح دل کے اندر سے کود کر مقابل کی شے کو جلا دیتے ہین اور سراپا اس صاحب دل کے اندر آگ بھڑکا دیتے ہین۔

سننے والا اہل ہے یا نہین

اس کی تمیز خود سننے والے کے حوالہ ہے دوسرا آدمی اہل و نااہل کی شناخت سے قاصر ہے اس کے پاس اہل و نااہل کی شناخت کے لیئے کوئی معیار نہین ہے حالات ظاہری یا اس سننے والے کے گذشتہ واقعات صحیح معیار

نہین بن سکتے کیونکہ دل بہت جلد پلٹ کھا جاتا ہے ابھی دل جو ایک طرف تھا
دوسری جانب پھر جاتا ہے اور اخری حالت ہی خدائے پاک کے پاس معتبر ہے
والاعتبار للخواتم (یعنی اخری حالتوں کا ہی اعتبار ہے) اور زیادہ تر معتبر حالت حالت
موجودہ ہے حالت موجودہ میں اگر کوئی شراب پی رہا ہے تو اس وقت اس کو
آپ شرابی کہہ سکتے ہین جب دوسری حالت مین وہ نماز پڑھ رہا ہے تو اس
وقت میں آپ اس کو شرابی نہین کہہ سکتے بلکہ آپ پر واجب ہے کہ اس کو اس
وقت نمازی کا خطاب دین کیونکہ خدائے پاک کی تجلی حاکم ہے جس وقت جو تجلی
جسپر ہوتی ہے اس وقت وہ اس تجلی کا محکوم اور اس کا بندہ ہے شراب پیتے
وقت تجلی جلالی کا بندہ تھا اب نماز پڑھتے وقت تجلی جمالی کا غلام ہے ہر بندے
کو اس کے مالک کے ساتھ منسوب کر دینا ہی امر واجب ہے جلالی کو جلالی کا
بندہ اور جمالی کو جمالی کا بندہ قرار دینا ادب شریعت مین داخل ہے دیکھو اگر
بحالت نماز یہ نمازی جس نے اس سے پہلے شراب پی تھی مرجائے تو ظاہر شریعت
میں آپ اس کو کس خطاب سے یاد فرمائینگے اور شریعت غرا نے اس وقت
اس کو کن بندگان خدا میں شریک فرمایا ہے اسی طرح اگر نمازی شراب پیتا
ہے تو نماز کا وقت گذر چکا اب شراب پینے میں مصروف ہے اور تجلی جلالی کا
محکوم و بندہ ہے اس وقت آپ اس کو نمازی نہین کہہ سکتے بلکہ اس کا نام
اس وقت شرابی ہے اگر ایسی حالت میں مرجائے تو بے ایمان مرجائے گا
کیونکہ بقول رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام شراب اور ایمان ایک بیٹ میں
جمع نہین ہوتے تو یہ مرنے والا تجلی جلالی کا بندہ بنکر مرگیا ہے اور عنداللہ

حالت آخری (خاتمہ) معتبر ہے نہ حالت سابقہ جس سے ظاہر ہوا کہ آپ کسی انسان کو حالات سابقہ کیوجہ سے جو بدتہے حالات موجودہ کی شرف سے جو نیک ہیں محروم نہیں کر سکتے ہیں اور نہ آپ کسی کے دلی جذبات کا یقینی علم حاصل کرنیکے لیئے کوئی صحیح معیار رکھتے ہیں پس ایسی صورت میں دلی حالات کا حوالہ ۔

صاحب دل ہی پر چھوڑ دو اور جو سماع سنتا ہو اس کی حلت و حرمت کا فیصلہ اسی کی دانش و علم و دل پر رکھدو اور تم اس آیتہ کریمہ (ان یکن کاذبا فعلیہ کذبہ الخ) پر عمل کرو کیونکہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اوس کی جھوٹ کا وبال دین و دنیا میں اوس کی ہلاکت کے لیئے بہت کافی ہے اگر سچا ہے تو تم بدظنی کے وبال میں گرفتار ہو جاوگے بہتر سے بہتر تمہارے حق میں حسن ظن ہے کم از کم سکوت ہے اوس کو اور اس کے عمل اور دانش کو خدائے پاک کے حوالے کر دو اور تم جب (اگر حسن ظن نصیب نہ ہوا ہے) تو سکوت اختیار کرو بھلا سمجھو نہ برا اسیطرح بھلا کہو نہ برا وما علینا الا البلاغ خلاصہ یہ ہے کہ آواز سریلی ہو یا بھونڈی بذات خود مباح ہے ۔ مگر جب یہہ آواز کسی ناجائز شرعی کے کلمات سے کیف ہو جاتی ہے تو اس کا سننا حرام ہے یا سننے والے کے خیالات غیر مشروع ہیں تو اس کے خیال کے محل میں وہ حرام ہو جاتی ہے ۔ اب ہم بیت مذکور کی شرح کیطرف رجوع کرتے ہیں نے جب تک اپنے اندرونی مادہ سے خالی نہیں ہوتی اوس وقت تک کسی مبارک نے باجنے والے کے کمالات کا مظہر نہیں بنتی اسی طرح مرید صادق جب تک اپنی غرور و کبریائی سے خالی نہیں ہوتا پیر کامل کے کمالات سے محروم رہتا ہے نے جب تک خالی نہو جائے مقدس بجانے والے کی تیرین

لبوں کے وصال کا شرف حاصل نہیں کرسکتی ہے اسی طرح مرید صادق بھی
پیر کامل کے تقرب سے بے بہرہ رہتا ہے خالی شدہ نے جس طرح سے
نے نواز کے لبوں میں اوس کے دم کے حوالے بے دم مردہ کیطرح ہوجاتی ہے
تو مردہ دل سننے والوں کے حق میں دم عیسیٰ کا کام کرتی ہے اسطرح مرید صادق
مردہ بنکر جب تک خود کو پیر کامل کے قبضے میں نہ دے دیگا اوس کے انفاس
دوسروں کے لیئے حیات بخش نہو سکیں گے اور اہل عالم کے دل اس کی طرف
مائل نہونگے مولانا نے مرید صادق کو نے کیطرف اسی غرض سے متوجہ بہ لفظ
(بشنو) کرایا ہے تاکہ مرید نے کی اس حالت سے عبرت حاصل کرکے استعداد تحصیل
کمالات خود میں پیدا کرلے یہ جملہ مطالب مذکورہ نے کے لغوی معنیٰ بانسری
سے تعلق رکھتے ہیں۔

نے سے مراد انسان کامل

اگر نے سے مرادی معنے سمجھے جائیں تو اس سے انسان کامل مراد ہے اور درحقیقت
رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی ذات مقدس انسان کامل ہے اور
دوسرے کسی انسان نے انسان کامل کا معزز خطاب اگر حاصل کیا ہے تو وہ
وہی مقدس ہستی ہے جس نے ظاہرًا و باطنًا صورت و سیرت محمدیؐ میں فناء
کامل کا درجہ حاصل کرلیا ہے پس یہاں نے سے مراد ذات مقدس رسول صلعم
ہے یا پیر کامل فانی فی الرسول یا خود مولانا کی ذات مبارک انسان کامل کی
حقیقت کا تفصیلی بیان انشاءاللہ تعالیٰ اسی رسالہ میں اپنے محل اور مقام پر
آجائے گا صرف ضرورت وقت و مقام کے لحاظ سے مختصر تشریح یہ ہے کہ انسان

کامل وہ ذات مقدس ہے جو خدائے پاک کی ذات اور تمام صفات کاملہ کا مظہر (آئینہ) ہو جس کے مشاہدہ سے خدائے پاک کی ذات اور اس کے جملہ صفات و کمالات کا مشاہدہ ہو جائے اور ایسی مقدس ذات رسول مقبول صلعم کے سوا دونوں جہاں میں دوسرا کوئی نہیں ہے اور نہ ہوگا جس کو انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس رسالہ میں اوس کے محل میں بفضلہ تعالیٰ شانہ بدلائل قاطعہ ثابت کر کے بتلائینگے۔

نے سے انسان کامل کو چند وجوہ سے مناسبت ہے ایک تو خالی ہونے مین کہ انسان کامل اپنی وہمی ہستی اور اس کے احکام اور آثار سے خالی ہے دوسری وجہ مناسبت یہ ہے کہ جو حرکات و سکنات و اعمال و اقوال انسان کامل کے ہین وہ جملہ خدائے پاک سے صادر ہوتے ہین اور اسی ذات مقدس سے منسوب ہین جس طرح نَے کی آواز اور اوس کے کرشمے نے نواز کے ذات سے منسوب اور اوسی سے صادر ہوتے ہین حضرت حقتعالیٰ کا ارشاد مقدس حضرت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان مین جو کلام مجید میں متعدد مقامات پر متعدد حالات میں صادر ہوا ہے وہ شاہد عادل ہے کہ انسان کامل کی ذات مقدس فانی بذات حق اور صفات فانی بہ صفات حق اور افعال فانی بافعال حق مین اس کی ذات میں سراپا حضرت حق ہی کا تصرف ہے نہ زبان ان کی ہے نہ بیان ان کا ہے نہ ہات ان کا ہے نہ حرکت ان کی ہے نہ دل ان کا ہے نہ فہم ان کی ہے نہ روح ان کی ہے نہ حیات ان کی ہے جو کچھ ان مین ہے سراپا حقتعالیٰ ہی کا جلوہ ہے اور وہی ان مین متصرف ہے۔ دیکھو پڑھو

اور سمجھو اور ایمان لاؤ کہ یہ کیا ارشاد حق ہے وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ
اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوحَىٰ ۔ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ رَمَىٰ ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ
اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ اور حدیث صحیح قدسیہ لا یزال
عبدي يتقرب اليّ بالنوافل حتى احببته فاذا احببته كنت
سمعه الذي يسمع به وبصره الذي يبصر به ولسانه الذي
ينطق به ويده التي يبطش بها ورجله التي يمشي بها فبي
يسمع وبي يبصر وبي ينطق وبي يبطش وبي يمشي اور ایک
روایت کے مطابق وبي يعقل وغيرها من الآيات والاحاديث
الدالة على ما بيناه صراحتاً ودلالتاً واشارتاً وكناياتاً
انشاء اللہ تعالیٰ اس کی تفصیل اسی رسالہ میں اپنے اپنے مقام پر پوری وضاحت
سے ہدیہ ناظرین کردی جائے گی وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت
والیہ انیب

حقیقت جدائیہا

جدائی مفرد ہے اور جدائی ہا جمع ۔ مولانا کا ارشاد ہے کہ نے متعدد جدائیوں کی شکایت کرتا ہے ۔ پہلی جدائی مرتبہ تخم سے دکہ اس مرتبہ مین وہ عین تخم تھا) جدا ہوکر اکوے کے مرتبہ میں آیا پھر اکوے کیصورت سے جدا ہوکر پتے کی شکل میں نکلا پھر پتے کی شکل سے پھیلتا پھولتا درخت کیصورت پر پہونچا پھر درخت سے کٹکر اپنے اصل سے جدا ہوا پھر منہہ کیطرف سے کٹکر سر سے جدا ہوا پھر اندرونی حصے سے خالی ہوکر جدا ہوا اور بانسری کیصورت پائی اسی طرح انسان کامل متعدد جدائیوں کے صدمے جھیل چکا ہے ۔ پہلے مرتبہ ذات سے جدا ہوا جہاں یہ عین ذات تھا پھر ذات سے صفات کیصورت میں آیا اور صورت صفاتی سے جدا ہوکر فعل کیصورت اختیار کی اور فعل سے اثر کیصورت مین آپہونچا ۔ یہ تنزلات قلندریہ ہے تنزلات سالکین کی رو سے مرتبہ احدیت سے بشیونات سے جدا ہوکر مرتبہ قابلیات مین آیا قابلیات سے جدا ہوکر مرتبہ صور علمیہ مین ظاہر ہوا مرتبہ صور علمیہ سے مرتبہ ارواح اور مرتبہ ارواح سے جدا ہوکر مرتبہ مثال اور مثال سے جدا ہوکر مرتبہ شہادت مین جلوہ افروز ہوا ۔

بانسری سے بعض اہل الردایات کے پاس مراد وہ بانسری ہے جس کو حضرت شمس تبریز علیہ الرحمتہ نے مولانا علیہ الرحمتہ کے کان میں رکھکر باجا تھا ۔ قصہ مختصر یہ کہ حضرت شمس تبریز علیہ الرحمتہ مولانا کی صحبت مین چند روز رہکر ان سے جدا ہو گئے مولانا ان کی تلاش مین دہ بدہ شہر بشہر کمال شوق واشتیاق دید مین مدتوں پھرتے رہے اتفاقا ایک دن نے نوازوں کے حلقہ مین ان کو

دیکھا کہ نے نوازی میں مصروف ہیں جوں ہی مولانا کی نظر ان پر پڑی بے ساختہ دوڑ کر ان کے قدموں پر گر پڑے اور سر رکھدیا جب حضرت شمس نے پہچانا تو بانسری ان کے کان میں رکھکر باجنا شروع کر دیا۔ مولانا کے ارشاد بشنو از نے سے بھی واقعہ مقصود ہے اور اس صورت میں بشنو کا خطاب خود مولانا کی ذات مقدس سے ہے خود کو خود مخاطب فرما رہے ہیں کہ سن نے اپنی جدائیوں کی کیسی شکایت کر رہی ہے اور ظاہر ہے کہ نے میں کلام کی قابلیت نہیں ہے بلکہ نے نواز اس پردے میں متکلم ہے۔ ایسی صورت میں نے کو متکلم بنانا بطریق مجاز ہے جیسے سبب کی تعبیر مسبب سے کیجاتی ہے یعنے کبھی مسبب کو سبب اور سبب کو مسبب اور محل کو حال اور حال کو محل سے خطاب کرتے ہیں مثلاً جب ابر فلک پر چھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ پانی آیا حالانکہ پانی نہیں آیا ابر آیا ہے لیکن ابر پانی کا محل ہے اور پانی حال ہے اسی طرح بانسری تو باجنے والے کے کلام کا محل ہے اور کلام اس محل میں ظاہر ہوا ہے بانسری سے بشنو فرمانے کا مقصود یہ ہے کہ بانسری باجنے والے کے کلام کو سنو مولانا خود سے خود خطاب فرما رہے ہیں اور اپنے دل کو متنبہ اور متوجہ کرا رہے ہیں کہ سن حضرت شمس تبریز علیہ الرحمۃ خود کس طرح ان جدائیوں کی شکایت اور ان کے صدموں کی حکایت فرما رہے ہیں۔ یعنے اے میرے نفس تجھ پر جو صدمے اور مصیبتیں ان ایام جدائی میں گزری ہیں اس میں تو ہی تنہا مبتلا نہیں تھا بلکہ خود حضرت شمس تبریز علیہ الرحمۃ بھی ان جدائیوں کی مصیبتوں میں تیرے شریک حال ہیں = سن تو اس نے کے پردے میں وہ اپنی جدائیوں اور

مصیبتوں کی کس طرح شکایت اور حکایت فرما رہے ہین تاکہ تجھہ پر عشق حقیقی کی حقیقت کا اظہار ہو جائے اور ہر کہ (عاشق دیدہ معشوق داں) کا راز منکشف ہو جائے اور (کو بہ نسبت ہم ہمین است و ہماں) کا بھید کھل جائے عشق و محبت کے کرشموں کے بیان کا وقت آنے والا ہے انشاء اللہ تعالی حضرات منتظر ہین کہ ہم اپنی رسالہ میں عشق و محبت کے ہر ہر فعل و اثر کے متعلق بہت جی کھولکر پوری تفصیل و بسط و شرح کے ساتھ قلم غیب سے کام لینگے اس مقام پر ایک اعتراض یہہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت مولانا علیہ الرحمت اور حضرت شمس تبریز علیہ الرحمت واصلان حق میں سے ہیں تو جدائی کی شکایت اور یہ آہ و زاری گریہ و نالہ کیسا اور اس کا کیا معنے ہے۔

جواب اعتراض آہ و زاری کامل واصل

اس کے متعدد وجوہ ہین۔

۱) حقیقی اصلی وجہ تو یہ ہے کہ ہر آن اس کی ایک نئی شان ہے (کل یوم ھو فی شان) ہر آن معروف غیر معروف آشنا نا آشنا یافت نا یافت۔ صبح و شام ہمو آتش در کاسہ جو رایت کو تمہارے کاسہ میں تمہاری صبح میں ہے وہی پیاس ہے وہی سوز وہی آہ وہی نالہ وہی گداز ہے ہر آن اودہر تبدیل لباس ہے اور ادھر اضطراب و اضطرار ہے ازل سے لیکر ابد الآباد تک اس کی یہی نیرنگی ہے اور عاشق دل سوختہ کو ادھر وہی تلوین قرار نہین سکون نہین ممکن نہین اگر عاشق کامل کو قرار و سکون نے گھیر لیا تو گویا اس کو قید کر لیا اور اپنا غلام بنا لیا اور اس سکون و قرار نے بت بنکر اس کو اپنی پرستش میں

منہمک کردیا ہے اس لیئے کہ سکون اسکو کسی خاص صورت یا حالت مرغوبہ
مطلوبہ سے پیدا ہوا ہوگا اور یہ صورت اسوقت صورت یار تھی جب کہ
اس صورت پر اس آن مین تجلی ہوئی تھی اب دوسری آن مین تو وہ اس
صورت سے نکل گیا صرف لباس نظر مین رہ گیا اور صاحب لباس گم
ایسی صورت میں اگر سالک کو اس صورت سے تسکین حاصل ہے تو محض
لباس سے اور لباس کی پرستش تو بت پرستی میں داخل ہے پس سالک
صاحب سکون و قرار (بت پرست) لباس پرست ہے اور یہ مکر الٰہی ہے
خدائے پاک جس کو خود دور کردینا چہتا ہے تو اوس کو اپنی کسی صورت
(لباس) کی پرستش میں جھوک دیتا ہے۔ اللھم حفظنا بفضلک وکرمک وحبیبک
علیہ الصلوۃ والسلام۔
جس سے معلوم ہوا کہ کامل حقیقت میں وہی ہے کہ جو کسی مقام یا کسی حال
یا کسی کیفیت یا کسی صورت یا کسی لذت کا بندہ نہین ہے جس لباس میں وہ
اپنے یار کو جس محل یا جس وقت میں پاتا ہے اوس کی بندگی کرتا ہے اور جب
اس کا یار ایک ہی لباس یا صورت یا محل یا مقام کا پابند نہیں تو اوس
عاشق کامل کو ہر آن اضطراب ہے تلاش ہے بیقراری ہے اضطراب ہے
آہ ہے نالہ ہے زاری ہے نہ صبر ہے نہ سکون نہ قرار اس لیئے شیخ اکبر رضی اللہ
تعالی عنہ نے مرتبہ تلوین کو مرتبہ تمکین سے افضل مانا ہے۔
وجہ دوم خدائے پاک نے قبض وبسط انس ہیبت کو اپنے خاص بندوں
کی ترقی کا وسیلہ اور ذریعہ بنایا ہے۔ قبض اور ہیبت کی تجلی مین عاشق صادق

کے شوق وطلب کا میدان وسیع ہو جاتا ہے اور دامن جتنا وسیع ہوگا۔ اوتنا ہی عطائے
یار کی اوس میں گنجایش ہوگی قبض و ہیبت کیحالت میں رونا پیٹنا ہے اور بسط و انس کی تجلی میں فرح و بشاشت۔
وجہ سوم باپ بچے کو بعض وقت رلاتا بھی ہے اسواسطے اس کو اس کا رونا اس وقت بہت پیارا
معلوم ہوتا ہے بچہ اس سے لپٹنا چاہتا ہے اور وہ اس سے فرار کرتا اور منہ چھپا لیتا ہے۔ اس سے
باپ کو صرف بچے کی اس حالت بیقراری و آہ زاری سے ایک خاص قسم کا لطف حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے
اسی طرح حق تعالی شانہ جو محبوب حقیقی ہے اپنی خاص عشاق سے اسی قسم کا معاملہ فرماتا ہے جس سے
ان کی بیقراری و اضطراب آہ و زاری کا تماشا کرتا ہے اور انکی طلب کے میدان کو وسیع اور انکی آتش شوق کو مشتعل
فرماتا ہے ؎ دیدار می نمائی و پرہیز می کنی   بازار خویش و آتش ما تیز می کنی
مشاہدۃ الابرار بین التجلی والاستتار اس سے ایک غرض اور بھی ہے کہ تجلی دوامی سالک کی ذات
وصفات کو فانی کر دیگی اس غرض سے کہ سالک کی ذات فنا و بقا کی لذت سے آشنا ہو جائے تاکہ بعد
الکمال رجوع الی الخلق ہو کر دوسروں کے لئے شمع ہدایت بنے اسواسطے خدائے پاک سالک کی ذات
مقدس کو جس سے وہ کام لینا چاہتا ہے اور مسند خلافت پر اس کو بٹھانا چاہتا ہے تو اسکی تربیت
رفتہ رفتہ تجلی اور استتار کے ذریعہ سے فرماتا رہتا ہے۔ جیسے آفتاب کا طلوع و غروب اس
حکمت پر مبنی ہے۔ اگر آفتاب غروب نہ ہوتا اور ہمیشہ اسیطرح طلوع ہی طلوع ہوتا تو پھر کسی ذی حیات کی
زندگی ہوتی نہ ان کی پرورش و ترقی حضرت مولانا علیہ الرحمت نے خود اس کیطرف اشارہ فرمایا ہے
؎ بہر استقبائے این جسم چو جان   لمحہ در ابر گردد خور نہاں — آفتاب کا ابر
میں پنہاں ہونا بقائے جسم کے لئے ضرور ہے۔ اسیطرح تجلی ذات حق کا ظہور اور بطون اور
کشف خفا کی (سالکوں کی بقا اور پرورش روحی کیلئے) بیحد ضرورت ہے۔ وَمَا تَوْفِیْقِیْ
اِلَّا بِاللّٰہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ وصلی اللہ علی محمد وآلہٖ